شاہد حسین رزاقی

# سیرتِ نبویؐ پر سید امیر علی کی پہلی تصنیف

سید امیر علی کی پہلی تصنیف جس سے علمی دنیا میں ان کی شہرت کا آغاز ہوا Critical Examination of The Life and Teachings of Mohammed ہے۔ یہی کتاب ان کے شاہکار اسپرٹ آف اسلام اور دوسری کئی تصانیف کی بنیاد بنی۔ ۱۸۶۸ء میں امیر علی بغرض تعلیم چار سال کے لیے انگلستان گئے تھے اور وہاں قیام کے دوران انھوں نے یہ محسوس کیا کہ انگلستان اور دوسرے یورپی ممالک میں اسلام کے مخالفوں نے اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کے خلاف پروپیگنڈا کر کے بڑی غلط فہمیاں اور بدگمانیاں پیدا کر دی ہیں جن کو دور کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ نبی کریمؐ کی زندگی اور ان کی تعلیمات کو صحیح طور پر پیش کیا جائے اور عیسائیوں کو یہ بتلایا جائے کہ اسلام عیسائیت کا دشمن مذہب نہیں ہے۔ بلکہ نوع انسانی کی فلاح و ترقی اور نجات کے لیے اس نے بہت شاندار اور قابلِ قدر کام کیا ہے۔ اور یہ مذہب آج بھی انسانیت کو تباہی کے غار میں گرنے سے بچا سکتا ہے۔ چنانچہ تعلیمی مصروفیات کے باوجود انھوں نے اپنے اس خیال کو عملی شکل دی اور آنحضرتؐ کی حیات و تعلیمات پر انگریزی میں ایک عمدہ کتاب لکھی۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۸۷۳ء میں لندن میں شائع ہوئی تھی۔ اردو میں اس کا ترجمہ "تنقید؟ الکلام فی احوال شارع الاسلام" کے نام سے سید ابو الحسن نے کیا تھا جو ۱۸۸۵ء میں لکھنؤ میں شائع ہوا تھا۔

کتاب کے دیباچہ میں امیر علی نے اپنی تصنیف کے مقاصد بیان کرتے ہوئے ان مشہور تصانیف پر تبصرہ کیا ہے جو یورپ اور امریکہ میں نبی کریمؐ کی حیات و تعلیمات اور اسلامی تاریخ کے بارے میں لکھی گئی ہیں۔ انھوں نے یہ واضح کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور انھوں نے نوع انسانی کی فلاح و ترقی کی تعلیماتِ ربانی کو منزل تکمیل تک پہنچایا ہے۔ اسلام کے مخالفوں نے محض تعصب کی بنا پر پیغمبر اسلامؐ کے خلاف بدگمانی پھیلانے کی ہمت کوشش کی ہے۔ مگر اب عیسائی دنیا بھی

رفتہ رفتہ یہ محسوس کرتی جا رہی ہے کہ نبی کریمؐ نے ساتویں صدی عیسوی میں انسانیت کی فلاح و نجات کے لئے کس قدر عظیم الشان کام انجام دیا۔ چنانچہ انگلستان میں مارس، اسٹینلے اور کارلائل اور امریکہ میں ایمرسن، پارکر اور شیٹنگ جیسے روشن خیال مفکروں نے اسلام کا صحیح مطالعہ کر کے یہ اقرار کیا ہے کہ بنی نوع انسان کو اسلام کا ممنون ہونا چاہیے۔ اسلام کے بارے میں یہ احساس ان وسیع النظر لوگوں کے لیے امید افزا ہے جو تمام فرقوں اور مذہبوں کو ایک عالمی برادری کے رشتہ میں منسلک دیکھنے کے آرزومند ہیں۔

اسلام کے مغربی مورخوں اور سیرت نگاروں کی تصانیف پر تبصرہ کرنے کے بعد امیر علی نے اپنا کتاب کا بنیادی مقصد یہ بتلایا کہ پیغمبر اسلام کی حیات و تعلیمات کے اہم پہلوؤں کو عام فہم انداز میں پیش کیا جائے۔ مخالفین کے تعصب اور غلط بیانی کی وجہ سے لوگوں کے ذہن میں اسلام کے خلاف جو تاثر قائم ہو گیا ہے، اس کو دور کیا جائے۔ اس حقیقت کو واضح اور ثابت کیا جائے کہ اسلام نوع انسانی کے لیے صحیح معنوں میں ایک رحمت ہے۔ اس نے انسانیت کا مرتبہ بلند کرنے میں نمایاں حصہ لیا ہے اور اس کی تعلیمات اس حکمت ربانی کا مظہر ہیں جس سے خالق کائنات انسان کی ہدایت و رہبری فرماتا ہے۔ آخر میں امیر علی نے یہ صراحت بھی کر دی ہے کہ ان کی اس کتاب کا ماخذ ابن ہشام اور ابن الاثیر کی تصانیف ہیں۔ ابن ہشام محتاط اور قابل اعتماد سیرت نگار ہے اور ابن الاثیر اپنی نکتہ رسی، سادہ و شستہ اور لطیف اسلوب تحریر اور علم و فضل کی بنا پر یورپ کے عظیم ترین مورخوں کا ہم پایہ ہے۔

پیغمبر اسلام کی حیات و تعلیمات سے متعلق امیر علی کی یہ کتاب انیس ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں نبی کریمؐ کی ولادت سے پہلے کی تاریخ کا سرسری تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور اس میں بت پرستی کی ترقی، زرتشت کی اصلاحات، مزدک کی تعلیمات، یہودیوں کے حالات، حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات سے عیسائیوں کی دوری، اسلام سے قبل عربوں کی حالت اور معاشروں میں بدنظمی و لاقانونی کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔

دوسرے اور تیسرے باب میں آنحضرتؐ کی پیدائش سے مدینہ کو ہجرت تک کے اہم واقعات کا تذکرہ ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کی زندگی ابتدا ہی سے کس قدر پاکیزہ

تھی اور آپؐ کتنے اعلیٰ اوصاف و کردار کے مالک تھے۔ آپؐ نے جس دین کو قبول کرنے کی دعوت دی اس کی بنیادی تعلیمات کیا تھیں۔ ابتدائی دور کے مسلمانوں پر کفار مکہ نے کتنے شدید مظالم کیے۔ اور یہ آنحضرتؐ نے کن حالات میں یثرب کو ہجرت فرمائی۔

اس کے بعد تین ابواب میں آنحضرتؐ کی مدینہ میں آمد۔ پہلی مسجد کی تعمیر، انصار و مہاجرین میں رشتہ اخوت کفار مکہ کی عداوت، مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری، جنگوں اور مدینہ کے یہودیوں کی غداری کا حال اور دوسرے اہم واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ ان ابواب میں امیر علی نے یہ بھی لکھا ہے کہ مختلف موقعوں پر آنحضرتؐ نے کتنے عظیم کردار کا ثبوت دیا۔ اور مسلمانوں میں اخوت و محبت اور ہمدردی کے جذبات پیدا کر دیے۔ کفار مکہ نے مسلمان شہداء سے وحشیانہ سلوک کیا تھا لیکن آنحضرتؐ نے دشمن قیدیوں سے بہت اچھا برتاؤ کیا اور یہ تاکید فرمائی کہ مردہ دشمن کی بے حرمتی نہ کی جائے۔ یہودیوں سے آنحضرتؐ کا سلوک بہت اچھا تھا اور ان سے معاہدہ کیا گیا تھا۔ لیکن یہودیوں نے بدوران جنگ مسلمانوں کو دھوکا دیا اور اسی غداری کی وجہ سے ان کو سزا دی گئی۔ اور وہ مدینہ سے نکال دیے گئے۔ یہودی قبائل بنی نضیر اور بنی قریظہ کو غداری کی سزا دینے کے واقعہ کو اسلام کے مخالفوں نے بہت توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے اور آنحضرتؐ کے متعلق بدگمانی پیدا کرنے کے لیے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ اس لیے امیر علی نے اس پر تفصیل سے بحث کی ہے

ساتویں باب میں صلح نامہ حدیبیہ اور اس کے شرائط اور ہمسایہ حکمرانوں کے پاس سفیر بھیجنے کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور اس باب کے آخر میں وہ ہدایات بھی درج کی ہیں جو آنحضرتؐ اپنے سفیروں کو دیا کرتے تھے۔ آٹھویں باب میں یہودیوں کی معاندانہ سرگرمیاں ختم کرنے کے لیے خیبر پر فوج کشی اور ان کو معافی دینے کے شرائط بیان کیے گئے ہیں۔ اور ایک نوٹ میں ولیم میور کے اس الزام پر بحث کر کے اس کی تردید کی ہے کہ آنحضرتؐ نے ایک مدت تک یہودیوں اور عیسائیوں کو مغالطہ میں رکھا اور آخر کار ان سے الگ ہو گئے۔ اس باب میں کفار مکہ کی بدعہدی اور ان کو سزا دینے کے لیے مسلمانوں کی فوج کشی مکہ کی فتح اور اہل مکہ سے آنحضرتؐ کے فیاضانہ برتاؤ اور حسن سلوک پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

نویں باب میں سن ہجری کے نویں سال میں پیش آنے والے واقعات کا ذکر ہے۔ یہ سال عام وفود کہلاتا ہے۔ کیونکہ اس سال کے دوران مختلف علاقوں اور قبیلوں کے وفد آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور اسلام دور دراز علاقوں میں پھیل گیا تھا۔

دسویں باب میں ہجرت کے دسویں سال کے اہم واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ یہ آنحضرتؐ کی زندگی کا آخری سال تھا اور اس میں حضورؐ کے مشن کی تکمیل ہوئی۔ اس باب میں امیر علی نے حجۃ الوداع اور اس موقع پر آنحضرتؐ کے خطبہ کی اہمیت واضح کی ہے اور حضورؐ کے کارناموں کی عظمت اور مبلغ اخلاق کی حیثیت سے آپؐ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ تمام انبیا اور حکما پر آنحضرتؐ کو اس اعتبار سے بھی فوقیت حاصل ہے کہ آپؐ نے اپنے مشن کی تمام منزلیں اپنی زندگی ہی میں نہایت کامیابی سے طے کر لیں اور آپؐ کے اوصاف و کردار ہمیشہ کے لیے مشعلِ ہدایت بنے رہیں گے۔

کتاب کے آخری نو باب، گیارہ تا انیس، اسلامی تعلیمات و نظریات اور اصول و احکام سے متعلق ہیں۔ جن میں اسلامی تعلیمات کی وضاحت کی گئی ہے اور مخالفین کے اعتراضات پر مدلل بحث کر کے ان کا جواب دیا گیا ہے۔ گیارھویں باب میں لفظ اسلام کے معنی اور اس کی اہمیت اور اسلام کے بنیادی عقائد بیان کیے گئے ہیں۔ اور امیر علی نے تفصیل سے لکھا ہے کہ اسلام سے قبل ساری دنیا بت پرستی اور شرک میں مبتلا تھی۔ عرب بت پرست تھے، یہودیوں میں حضرت موسیٰ اور حضرت عزیر کا احترام شرک کی صورت اختیار کر چکا تھا۔ اور ان میں مورت پرستی رائج تھی۔ عیسائیوں میں مسیح پرستی اور مریم پرستی کی وجہ سے شرک پھیل گیا تھا۔ کفر اور شرک کو ختم کرنا اسلام کا بنیادی مقصد تھا اور اس نے خدائے واحد پر ایمان کو دین کی اساس قرار دیا۔ قرآن پاک میں معبود کا تصور ہر قسم کے شرک سے پاک ہے اور آنحضرتؐ عظیم پیغمبر توحید ہیں۔

بارھویں باب میں تصورِ عبادت پر بحث کر کے اسلام اور دوسرے مذاہب میں عبادت کے تصور میں فرق کو واضح کیا گیا اور یہ بتلایا گیا ہے کہ عملی فرائض، اخلاقی پاکیزگی اور ضبطِ نفس کو اسلام نے بہت اہمیت دی ہے لیکن رہبانیت کا مخالف ہے۔ اس باب میں امیر علی نے روزہ، زکوٰۃ اور حج کے مقاصد و فوائد بھی بیان کیے ہیں اور اس بات پر زور دیا ہے کہ اسلامی تعلیمات کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ ہر زمانہ، ہر ملک اور ہر قوم کے لیے قابلِ قبول و قابلِ عمل ہیں۔ اسلام میں معقول عملیت اور اعلیٰ اخلاقیت کا خوش گوار امتزاج پایا جاتا ہے۔ یہ نیکی اور کار خیر کی تعلیم دیتا ہے۔ اور سزا و جزا کا انحصار فرد کے اپنے اعمال پر رکھا ہے نہ تو کوئی ابدی گناہ گار ہوتا ہے اور نہ نجات کسی کا اجارہ ہے۔

اگلے باب میں مخالفین اسلام کے اس غلط الزام پر بحث کی گئی ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا ہے۔ اس الزام کا سبب امیر علی نے یہ قرار دیا ہے کہ اسلام کی زبردست کامیابی سے اس کے مخالفین حیران و

شدت رہ کر اس کے غلط اسباب تلاش کرتے ہیں اور صحیح اسباب پر غور نہیں کرتے۔ چونکہ یہودیت اور عیسائیت نے اپنے عقائد کی اشاعت کے لیے تلوار اٹھائی اور عیسائی کلیساؤں نے ظلم و تشدد اختیار کیا اس لیے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام نے بھی ایسا ہی کیا ہوگا۔ عیسائیوں کی مذہبی جنگوں اور اسلام کی ابتدائی دور کی جنگوں کا مقابلہ کرنے سے ان کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔ اسلامی جنگیں اپنی بقا اور مدافعت کے لیے تھیں۔ کفار اسلام کو تباہ اور ختم کر دینا چاہتے تھے اس لیے مسلمانوں نے ان کا مقابلہ کیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ بعض مذاہب نے رواداری کی تعلیم اس وقت تک دی جب تک کہ وہ کمزور رہے اور با اقتدار ہونے کے بعد اس کو بھول گئے۔ لیکن اس کے برعکس پیغمبر اسلامؐ نے با اختیار ہونے کے بعد اپنے اصولوں کو عملی شکل دی۔ اور اسلام میں رواداری کا تصور محض ایک نظریہ نہیں رہا بلکہ اس کو عملی حقیقت بنایا گیا۔ اسلام سے پہلے بین الاقوامی ذمہ داریوں کا کوئی تصور نہ تھا۔ قوموں کے حقوق کا کوئی احساس نہ تھا۔ لیکن اسلام نے افراد کی طرح اقوام کے لیے بھی ضابطۂ اخلاق بنایا اور اس پر عمل کیا۔

اس کے بعد ایک باب میں تعدد ازدواج کے مسئلہ اور اس کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔ اور امیر علی نے یہ واضح کیا ہے کہ عہد قدیم کی تمام قومیں تعدد ازدواج پر عمل کرتی تھیں۔ سینٹ آگسٹین اس کے قانونی جواز کے قائل تھے اور سولھویں صدی کے جرمن مصلحین تک کی یہ رائے تھی کہ ایک شخص دو یا تین بیویاں رکھ سکتا ہے۔ یورپ میں جسٹینین کے قانون سے توحد ازدواج کا آغاز ہوا۔ مگر پرانا طریقہ بدستور جاری رہا۔ تعدد ازدواج ایک ایسا مسئلہ ہے جس کا انحصار معاشرتی حالات پر ہوتا ہے۔ اور بعض حالات میں اس پر عمل کرنا لازمی ہو جاتا ہے۔ اسلام نے اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے احکام میں مناسب لچک رکھی ہے اور اس کی روش دانشمندانہ ہے۔

معاشرتی خرابیاں دور کرنے کے لیے اسلام نے جو نہایت ضروری اور اہم اصلاحات کی ہیں ان میں غلامی کا انسداد بھی شامل ہے۔ اس کتاب کے پندرھویں باب میں امیر علی نے اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ غلامی کا نظام معاشی اور معاشرتی حالات کا پیدا کردہ تھا اور لوگوں کی ذہنی و جسمانی کمزوری بھی اس کی ذمہ دار تھی اور یہ ہر زمانہ اور ہر قوم میں موجود رہی۔ یہودیوں، یونانیوں اور رومنوں میں غلامی کا رواج بڑی شدت سے تھا۔ عیسائیت کے فروغ سے صرف اہل کلیسا کو آزادی ملی اور غلامی ترقی کرتی گئی۔ لیکن اسلام نے غلامی کے انسداد کے لیے موثر عملی تدبیریں اختیار کیں اور

ایسے قاعدے بنائے جن کا لازمی نتیجہ غلامی کے خاتمہ کی شکل میں نکلتا ہے۔

سولھویں باب میں تصورِ آخرت پر بحث کی گئی ہے۔ اور اس کو انسانی ذہن کے تدریجی ارتقا کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے۔ مصریوں، یہودیوں، آریاؤں اور مجوسیوں میں آخرت کا کیا تصور ہے اور آسمانی سلطنت سے عیسائیت کا کیا مطلب ہے اس کی وضاحت کرنے کے بعد امیر علی نے اسلام کے تصورِ آخرت پر بحث کی ہے اور اس بات پر زور دیا ہے کہ آخرت میں ہر شخص اپنے اعمال کے لیے جواب دہ ہوگا۔ سزا و جزا کے بارے میں تشبیہوں اور استعاروں سے کام لیا گیا ہے کیونکہ مخاطب صرف حکما اور فلسفی نہیں بلکہ عام لوگ ہیں۔ اور مقصود صرف مادی مسرتیں نہیں۔ اس ضمن میں یہ حقیقت پیش نظر رکھنا بھی لازمی ہے کہ خدا رحیم و کریم ہے۔

اگلے باب میں اسلام کی معقولیت پسندی اور فکری آزادی پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ واضح کیا گیا ہے کہ آنحضرتؐ سے قبل عربوں کی ذہنی صلاحیتوں کا سب سے بڑا مظاہرہ ان کی شاعری میں ہوتا تھا۔ آنحضرتؐ نہ صرف روحانی رہنما بلکہ حکمران بھی تھے۔ آپؐ نے قابلِ عمل اصولوں کے دور کا آغاز کیا اور معقولیت پسندی کو فروغ دیا۔ چنانچہ علم اور عمل سے لگاؤ مسلمانوں کی امتیازی خصوصیت بن گئی۔ علوم و فنون اور تہذیب و تمدن نے بہت ترقی کی۔ اور فکری آزادی کی بدولت فکری و فقہی مکاتب وجود میں آئے۔ آنحضرتؐ کی تعلیمات میں علم اور حصولِ علم کو جو اہمیت دی گئی ہے اور علم و عالم کی فضیلت میں جو مستند احادیث ملتی ہیں ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ انسانوں کی ذہنی ترقی و تربیت کو کس قدر اہمیت دیتے تھے۔

اٹھارہویں باب میں اسلام کے سیاسی اصول و نظام پر بحث کرتے ہوئے یہ واضح کیا گیا ہے کہ اس بارے میں اسلام کے مخالفوں نے بڑی غلط فہمیاں پیدا کر دی ہیں۔ درحقیقت اسلام سیاسی آزادی کا بہت احترام کرتا ہے۔ مدینہ میں اسلامی فلاحی مملکت کا آغاز ہوا اور چند سال کے اندر اسلامی نظام نوعِ انسانی کے لیے جس قدر مفید ثابت ہوا اس کی کوئی اور مثال نہیں ملتی۔ اسلام نے حاکم اور محکوم کے حقوق و فرائض کا تعین کر دیا۔ خلافتِ راشدہ آئین کی پابند فلاحی مملکت تھی جس کا حاکم منتخب کیا جاتا تھا اور اس کے اختیارات محدود ہوتے تھے۔ حاکم یعنی خلیفہ کے فرائض کا تعین کر دیا گیا تھا اور وہ عوام کے سامنے جواب دہ ہوتا تھا۔

آخری باب مسلمانوں میں علوم و فنون کی ترقی سے متعلق ہے۔ جس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کا عہد تاریخ عالم میں بے مثال ترقیات کا دور ہے۔ مسلمان تعلیمی طریقوں سے بخوبی واقف تھے۔ علوم طبیعی، فلکیات،

ریاضی، کیمیا، ارضیات، نباتات، زراعت، دیہی معاشیات اور تاریخ میں انھوں نے بہت ترقی کی۔ فن تعمیر میں وہ دوسری سب قوموں سے ممتاز رہے۔ ادب اور شاعری کو فروغ دیا۔ اور دنیا کی کوئی قوم مسلمانوں کی شاعری کی نظیر نہیں پیش کر سکتی۔ مصوری اور مجسمہ سازی پر مسلمانوں نے اس لیے توجہ نہ کی کہ تاریخ نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ ان فنون میں مہارت پیدا کرنے والی قومیں بت پرستی کا شکار ہو گئیں۔ اس باب میں امیر علی نے قرآن پاک کی فصاحت و بلاغت اور ادبی خصوصیات پر بھی روشنی ڈالی ہے اور اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ قرآن وہ مقدس کتاب ہے جس کی روشنی میں مسلمان میدان ترقی میں آگے بڑھے اور دنیا کے حکمران بن گئے۔ اور اتنی بڑی سلطنت قائم کر لی جو سکندر اعظم کو بھی نصیب نہ ہوئی تھی۔ مسلمانوں نے یورپ کو عقلیت اور تہذیب سے آشنا کیا۔ اور یہاں تہذیب کا آغاز ان علاقوں میں ہوا جو اسلامی مرکزوں سے قریب اور اسلامی تہذیب سے متاثر تھے۔ یورپ کو جس حریتِ فکر پر ناز ہے وہ اسلام ہی کا عطیہ ہے۔ اسلام نے جدید دنیا کو تہذیب، فلسفہ، آرٹ اور سائنس سکھلا کر ان کی ذہنی تربیت کی اور اسی سے نئے دور کا آغاز ہوا۔ مسلمان جب تک اپنے دین کی اصل تعلیمات پر عمل پیرا رہے وہ دنیا میں علم اور تہذیب کے علمبردار بنے رہے اور جب ان سے دور ہوئے تو تمام ترقیاں مسدود ہو گئیں۔ موجودہ پستی سے نکلنے اور میدان ترقی میں گامزن ہونے کے لیے یہ لازمی ہے کہ مسلمان کورانہ تقلید کو چھوڑ کے اور جمود کو توڑ کے اسلام کی اصل تعلیمات پر عمل کریں۔

کتاب کے آخر میں امیر علی نے مسلمانوں اور عیسائیوں میں اتحاد و تعاون پیدا کرنے کی ضرورت پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسلام اور عیسائیت دونوں کا مقصد بنی نوع انسان کی فلاح و ترقی ہے پھر ان دونوں مذاہب کے پیرو ایک دوسرے کے مخالف کیوں ہوں۔ اور تہذیب و انسانیت کی ترقی کے لیے دونوں مل کر کام کیوں نہ کریں۔


## مسلم ثقافت ہندوستان میں

از مولانا عبدالمجید سالک

اس کتاب میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ مسلمانوں نے برعظیم پاک و ہند کو گذشتہ ایک ہزار سال کی مدت میں کن برکات سے آشنا کیا اور اس قدیم ملک کی تہذیب و ثقافت پر کتنا وسیع اور گہرا اثر ڈالا۔ قیمت : ۱۲ روپے

ملنے کا پتہ : ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ۔ لاہور